© rasailojaraid.com

مولانا مفتی محمد زاہد

برصغیر کی دینی روایت میں برداشت کا عنصر

ایشیا کا وہ خطہ جو برصغیر کہلاتا ہے، بالخصوص اس کے وہ علاقے جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں یا بڑی تعداد میں آباد ہیں یہ ہمیشہ سے ہی مختلف تہذیبوں کی آماج گاہ اور ان کی آمد و رفت کا راستہ رہے ہیں۔ اس لئے تہذیبی اور ثقافتی تنوع یا اختلافات کا ذائقہ یہ خطے چکھتے چلے آئے ہیں اس کے جو اثرات اس خطے کی اجتماعی نفسیات پر بھی پڑے ہیں وہ ایک مستقل مطالعے کا موضوع ہو سکتے ہیں، یہاں برصغیر میں صرف مسلمانوں کی دینی روایت کے حوالے سے بات کرنا مقصود ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی دینی روایت کو اگر دیکھا جائے تو اس میں فرقہ وارانہ تقسیم، عدمِ برداشت کے بھی بہت سے مناظر نظر آتے ہیں جن کی متعدد تاریخی وجوہ بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہاں کے مسلمانوں کو یہاں کے مقامی مذاہب اور تہذیبوں میں خود کو مدغم ہونے سے بچانے کے لئے بہت زیادہ تگ و دو کرنا پڑی۔ اس چیز نے انہیں اپنی شناخت اور پہچان کے حوالے سے حساس بنا دیا اور اسی کے اثرات ان کی اندر کی فرقہ وارانہ تقسیم پر بھی پڑے ہوں۔ نیز برصغیر میں شخصیات اور مقامات کے ساتھ الحاق اور تعلق کی خاص روایت رہی ہے۔ یہ چیز بھی - اگر اسے اعتدال پر نہ رکھا جائے - اختلاف آراء کو تقسیم کا باعث بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی غلو اور جذباتیت کو یہاں کے عمومی مزاج کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ خلیق ابراہیم ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری تین چار بار ہمارے ہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے۔ وہ بڑی دلچسپ باتیں کرتے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے قومی مزاج کی بات ہو رہی تھی، کہنے لگے: ''اس سے زیادہ جذباتی قوم دنیا کے پردے پر نہیں ہوگی۔ اس کے دین نے اسے اعتدال اور حقیقت پسندی کا راستہ دکھایا ہے، اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین میں غلو نہ کرو۔ مگر اس نے [ہندوستان کی مسلمان قوم نے] دین کو مشعل راہ بنانے کی بجائے [اسے] اپنے اعصاب پر سوار کرلیا ہے۔ اس کے جذبات میں کنکری ڈالو تو لہریں پیدا نہیں ہوں گی بلکہ ایک دم ابال آجائے گا''(۱)

یعنی مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری دین کے بارے میں حد سے بڑھی ہوئی اور اعتدال سے نکلی ہوئی حساسیت کو اعصاب پر سوار کرنے سے تعبیر کرتے ہوئے اسے غلو اور جذباتیت کا سبب قرار دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی شاید وہی خطرے کا احساس ہو جو اتنی بڑی غیر مسلم آبادی کے درمیان موجود ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا اور پھر تاریخی طور پر ہمارے جینیاتی نظام کا حصہ بن گیا اور شاہ صاحب کے الفاظ میں ہم نے دین سے اپنی زندگیوں میں راہ نمائی اور روشنی حاصل کرنے کی بجائے اسے اپنے اعصاب پر سوار کرلیا۔

خیر! تاریخی توجیہ جو بھی ہو برصغیر میں مسلمانوں کی دینی روایت میں تقسیم وتفریق کا عنصر موجود ضرور رہا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس خطے میں مسلمانوں کی دینی روایت میں برداشت اور تنوع کو قبول کرنے کے مظاہر بھی کم نہیں ہیں۔ پاکستان کے حالیہ کچھ عرصے کے مخصوص دینی ماحول نے اس روایت کے اس عنصر اور پہلو کو گہنا سا دیا ہے اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بادی النظر میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ یہاں کے دینی حلقے اور ان کے اکابر ہمیشہ سے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ اس تاثر کے ازالے اور تصویر کا دوسرا رخ سامنے لانے کے لئے یہ سطور تحریر کی جارہی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ نظر تحریر میں پیش کردہ گذارشات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ فرقہ وارانہ حوالے سے برداشت کی روایت

۲۔ علمی وفکری اختلاف میں برداشت اور احترام کی روایت

۳۔ سیاسی اور پالیسی کے اختلاف میں ایک دوسرے کے احترام اور برداشت کی روایت برصغیر کی طرف آنے سے پہلے مجموعی طور پر اسلامی روایت بالخصوص اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار کا اس حوالے سے ایک طائرانہ جائزہ لے لینا مناسب ہوگا۔ دراصل اختلاف اور تنوع خود اسلامی روایت کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر جو میثاقِ مدینہ لکھا گیا اس کے مشمولات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد مختلف نظریات اور کلچر رکھنے والے طبقات پر مشتمل ایک متنوع معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں سمیت کئی غیر مسلم قبائل بھی اس معاہدے کا حصہ تھے اور بعد میں ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ خود مسلمان معاشرے کے اندر دین کے بعض مسائل کی تفہیم وتشریح میں اختلاف بھی خود عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ہوا، جس کی معروف مثال بنو قریظہ کا واقعہ ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کی طرف بھیجے گئے لشکر کو عصر کی نماز کے متعلق جو ہدایت دی اس کے اطلاق اور انطباق کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا، نہ صرف یہ کہ نظریاتی اختلاف ہوا بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی تشریح کے مطابق عمل بھی الگ الگ انداز سے کیا، جس پر نہ تو ان صحابہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی تنازعہ پیدا ہوا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو جب اس پورے واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے کسی کو ڈانٹا یا ناراضگی کا اظہار فرمایا(۲)۔

عہدِ رسالت کے بعد صحابہ کے دور میں بھی یہی صورتِ حال رہی کہ مختلف صحابہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مختلف فتاوی دیئے اور ان کے پیرو کاروں نے ان پر عمل بھی کیا، لیکن یہ مختلف فتاوی اور یہ متنوع عمل کبھی بھی تنازعات کا باعث نہیں بنے۔ مختلف صحابہ جو مختلف علاقوں میں گئے وہاں جا کر انہوں نے جس طرح سے دین سکھایا وہی طریقے ان علاقوں میں رواج پذیر ہوگئے، اس طرح سے دین پر عمل کرنے کی متعدد شکلیں وجود میں آگئیں۔ صحابہ کا دور اختتام کے قریب تھا اور تابعین کا زمانہ اپنے عروج پر تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ امت میں پائی جانے والی دین پر عمل کی یہ مختلف شکلیں ختم کر کے سب لوگوں کو ایک ہی طریقے پر جمع کر دیا جائے تا کہ یہ اختلاف اور فرق ختم ہو جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہ صرف اس تجویز کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اپنی خلافت کی قلم رو میں آنے والے تمام علاقوں میں ایک مراسلہ لکھوایا جس کا لب لباب عمل کی ان تمام شکلوں کو تسلیم کرنا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم بن محمد سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اگر بڑی سے بڑی دولت پیش کی جائے تب بھی میں اس بات کی تمنا نہیں کروں گا کہ صحابہ کے درمیان یہ اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو امت کے لئے وسعت پیدا نہ ہوتی (۳)۔

اسی طرح جب امام مالک سے خلیفۂ وقت نے یہ درخواست کی کہ ان کے موطا کو خلافت کی عمل داری والے تمام علاقوں میں نافذ کر کے تمام لوگوں کو اس پر عمل کا پابند بنا دیا جائے تو امام مالک نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا اور خلیفہ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ لوگوں تک دین کے بارے میں مختلف باتیں پہنچی ہیں اور انہوں نے مختلف احادیث سن رکھی ہیں، مختلف علاقوں کے لوگوں تک جس جس انداز سے دین پہنچا وہاں کے لوگوں نے اسے اختیار کر لیا اور اپنی عملی زندگی کو اس میں ڈھال لیا، اب جس چیز کو وہ درست سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں انہیں اس سے روکنا بہت سنگین ہوگا، اس لئے لوگ جس حال میں ہیں ان کو اسی پر رہنے دیا جائے (۴)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالکؒ کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ امت کے اندر سے دین کی تشریح اور اس پر عمل کے سلسلے میں تنوع ختم ہو، خواہ اس کے نتیجے میں ان کی کتاب کی اشاعت اور اس کی تنفیذ کا بظاہر سنہری موقع نظر آ رہا ہو۔

یحیی بن سعید انصاریؒ جو جلیل القدر تابعی ہیں کہتے ہیں:

أهل العلم أهل توسعة، و ما برح المفتون يختلفون، فيحلل هذا ويحرم هذا، فلا يعيب هذا على هذا ولا هذا على هذا.

''اہل علم وسعت اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے اہل افتا ہمیشہ اختلافِ رائے کرتے رہیں، چنانچہ ایک ہی چیز کو ایک عالم اور مفتی حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا اسے حرام قرار دیتا ہے، اس لئے نہ تو پہلا دوسرے کو برا کہتا ہے اور نہ ہی دوسرا پہلے کو(۵)''

طلحہ بن مصرف ایک تابعی ہیں جو علم وفضل کے علاوہ اپنے زہد وعبادت کے لئے بھی معروف تھے، اس لئے اصفہانی نے ان کا تذکرہ حلیۃ الأولیاء میں کیا ہے، ان کے سامنے جب علما کے اختلاف کی بات آتی تو وہ کہتے: " لاتقولوا: الاختلاف، ولكن قولوا: السعة " یعنی اسے اختلاف کے لفظ سے تعبیر کرنے کی بجائے وسعت کے لفظ سے تعبیر کرو۔ ایک شخص نے اختلافِ علما پر ایک کتاب لکھی تو امام احمد بن حنبل نے کہا اس کو کتاب الاختلاف کہنے کی بجائے کتاب السعۃ یعنی وسعت کی کتاب کہنا چاہئے(۶)۔

عباسی خلیفہ مامون کے زمانے میں ایک شخص نے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کرلیا، اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف بہت ہے۔ مامون نے اس شخص سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک طویل گفتگو کی جس کے نتیجے میں وہ دوبارہ اسلام کی طرف آ گیا، اس گفتگو میں اس نے یہ بھی کہا کہ جس چیز کو تم اختلاف کہتے ہو وہ حقیقت میں وسعت اور تخفیف ہے(۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اختلاف رائے کو نہ تو کبھی منافرت اور لڑائی جھگڑے کا باعث بننے دیا جاتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ شاگرد اپنے اساتذہ سے نہ صرف اختلاف رائے کرلیا کرتے تھے بلکہ ان سے بحث مباحثہ بھی کرلیا کرتے تھے لیکن اس سے باہمی احترام کے رشتے میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ یونس بن عبد الأعلیٰ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ عقل مند انسان کوئی نہیں دیکھا، میرا ان کے ساتھ ایک دفعہ ایک مسئلے میں مناظرہ ہوگیا، کچھ عرصے کے بعد جب میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا ہم اس کے باوجود بھائی بھائی رہیں کہ ہمارا کسی ایک مسئلے میں بھی اتفاق نہ ہو۔ یعنی تمام مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود اخوت کے رشتے میں کوئی فرق نہ آئے (۸)۔

نظام بصری بہت بڑے معتزلی عالم بلکہ معتزلہ کے ائمہ میں سے ہیں۔ وہ اپنا ایک طویل واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ انہی کے ہم عصر ایک عالم ابراہیم بن عبد العزیز - جو غالباً سنی تھے - سے بعض مسائل پر ان کا شدید اختلاف ہوا۔ اور یقیناً یہ اختلاف کسی فروعی نہیں بلکہ اصولی مسئلے پر ہوگا، اس لئے نظام کی سطح کے معتزلی فروعی اور جزوی مسائل پر بحث نہیں کیا کرتے تھے۔ نظام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اہواز میں بہت کس مپرسی کے عالم میں وقت گذار رہا تھا کہ میرے پاس ابراہیم بن عبد العزیز کا ایک نمائندہ ان کا یہ پیغام لے کر آیا کہ اگرچہ رائے اور مذہب میں ہمارا اختلاف رہا ہے لیکن اب اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کا وقت ہے۔ میں نے تمہیں آج فلاں جگہ پر قابلِ رحم حالت میں دیکھا ہے۔ اگر تمہارا کچھ عرصہ اس شہر میں رہنے کا ارادہ ہے تو ایک دو مہینے کے اندر میں تمہارے مالی تعاون کا ایسا انتظام کروادوں گا کہ زندگی بھر کے لئے کافی ہوجائے گا اور اگر تمہارا یہاں سے جلدی روانگی کا ارادہ ہے تو فوری طور پر یہ تیس دینار حاضر ہیں (۹)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اہم بات جو قرونِ اولی میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر دو عالموں میں مزاجی، ذوقی یا نظریاتی فرق کی وجہ سے اختلاف ہوتا تو اس دوری اور بعد کو وہ اپنے حلقۂ تلامذہ اور اگلی نسل میں منتقل کرنے سے گریز کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں ایک اور عالم تھے عبد العزیز الماجشون۔ ان کے امام مالک کے ساتھ کوئی اچھے تعلقات نہیں تھے۔ عبد العزیز ماجشون کے ایک شاگردِ خاص اور بہت قریبی تعلق والے تھے ابن ابی حازم۔ عبد العزیز ماجشون کو بعض اہم ذمہ داریوں کے لئے بغداد بلالیا گیا اس لئے انہیں مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا۔ ابن ابی حازم کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ آپ تو یہاں سے تشریف لے جارہے ہیں آپ کے بعد میں علمی استفادے کے لئے کس کے پاس حاضر ہوا کروں۔ ماجشون نے کہا کہ اس مقصد کے لئے مجھے قبیلہ اصبح کے اس شخص یعنی امام مالک سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔ ابن ابی حازم نے عرض کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان تو بعد اور دوری رہی ہے اب میں ان کی مجلس میں کیسے حاضر ہوں۔ انہوں نے کہا اگر تو تم نے ان کے پاس جانا ہے ان کے فائدے کے لئے تو بے شک مت جاؤ لیکن اگر تم نے ان کے پاس خود اپنے علمی اور دینی فائدے کے لئے جانا ہے تو پھر انہی کو لازم پکڑو۔ چنانچہ ابن ابی حازم امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام مالک نے بھی انہیں اپنے حلقے میں بخوشی قبول کیا اور کسی سابقہ تکدر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ (۹ الف) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ذاتی طور پر ماجشون کے امام مالک سے اختلافات تھے لیکن اپنے شاگرد کے بارے میں اگر محسوس کیا کہ اسے ان کے پاس جانے سے علمی اور دینی طور پر فائدہ ہوسکتا ہے تو انہیں نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ باصرار اس کا حکم دیا۔ یہ نہیں کہ اگر ان کی میرے ساتھ نہیں بنتی تو اپنے متعلقین کو بھی ان سے دور رکھنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔

سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی اختلافی مسئلے میں تمہاری ایک رائے ہو اور تم کسی دوسرے شخص کو اس کے خلاف عمل کرتے دیکھو تو اسے اس سے منع نہ کرو (۱۰)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے:

"ہمارا یہ قول رائے ہے۔ ہم اپنی استطاعت کے مطابق جو بہتر سے بہتر بات ہم اختیار کر سکتے تھے یہ وہ بات ہے، تاہم جو شخص ہمارے قول سے بہتر لے آئے تو وہ درستگی کے زیادہ قریب ہوگا (یعنی ہم بھی اس کی طرف رجوع کرلیں گے)" (۱۱)۔

امام ابوحنیفہ ہی کا قول ہے:

"یہ جو کچھ ہے یہ ایک رائے ہے جس پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی یہ کہتے کہ کسی (دوسرے مجتہد پر) اسے قبول کرنا لازم ہے۔ جس کے پاس اس سے بہتر کوئی بات ہو تو وہ لائے (یعنی ہم اسے بخوشی قبول کرلیں گے)" (۱۲)۔

عبد اللہ بن المبارک کا قول ہے کہ بعض اوقات میں کوئی حدیث سنتا ہوں اور میرا اس پر عمل کا ارادہ نہیں ہوتا (اس لئے کہ ان کے اجتہاد کے مطابق وہ قابل عمل نہیں ہوتی) لیکن میں اسے لکھ لیتا ہوں تاکہ میرے کسی اور دوست کے کام آجائے جو اگر اس پر عمل کرنا چاہے تو میں یہی کہوں گا کہ اس نے حدیث پر ہی عمل کیا ہے (۱۳)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبد اللہ بن مبارک کی اپنی رائے میں تو وہ حدیث قابلِ عمل نہیں ہے لیکن اگر کسی اور عالم کی رائے میں وہ قابلِ عمل ہے تو ابن المبارک کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔

فروعی اور عملی مسائل میں تو بقائے باہمی، برداشت اور ایک دوسرے کے احترام کا ماحول تھا، نظریاتی اور اصولی اختلافات جو عملی مسائل سے زیادہ نازک اور حساس ہوتے ہیں میں بھی یہ صورتِ حال تھی کہ محدثین کے ہاں عمومی رجحان یہ رہا ہے کہ نظریاتی اور عقیدے کے مسائل میں اختلاف کے باوجود بھی ایک دوسرے سے نہ صرف یہ کہ حدیث سنی جاتی تھی بلکہ اسے قبول بھی کیا جاتا تھا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر محدثین کا رجحان یہ ہے کہ اگر حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت کرنے والا اہل السنۃ کے علاوہ عقائد رکھتا ہے لیکن اس کے بارے میں بحیثیت مجموعی یہ اطمینان ہے کہ وہ روایتِ حدیث میں غلط بیانی سے کام نہیں لے گا اس کی روایت قابل قبول سمجھی جائے گی۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم سمیت اہل السنۃ کی حدیث کی معتبر کتابوں میں غیر سنی راویانِ حدیث کی روایات بکثرت موجود ہیں۔

قرونِ اولی میں نہ صرف اختلاف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جاتا تھا، چنانچہ تقریباً تمام بڑے بڑے ائمہ کے شاگردوں نے بھی ان سے اختلاف کیا بلکہ کسی بھی عالم کے لئے اس چیز کو ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ صرف اپنے نقطۂ نظر واقف نہ ہو بلکہ اس مسئلے میں اس فن کے دیگر ماہرین کی آرا اور ان کے نقطہ ہائے نظر بھی واقف ہو۔ چنانچہ قتادہ کہتے ہیں جو شخص مختلف آرا سے واقف نہیں ہے اس نے فقہ کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔ سعید بن ابی عروبہ کہتے ہیں جس نے مختلف آرا نہیں سنیں اسے عالم ہی شمار نہ کرو۔ حضرت ابو الدرداء سے مروی ہے کہ تم اس وقت تک صحیح معنی میں فقیہ نہیں بن سکتے جب تک کہ تم قرآن کے مختلف معانی اور اس کی مختلف تشریحات سے واقفیت حاصل نہ کرلو۔ ہشام بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ جس طرح اختلافِ قراءت سے ناواقف شخص قاری نہیں کہلا سکتا اسی طرح فقہا کے اختلاف سے ناواقف شخص فقیہ نہیں کہلا سکتا۔ عطا کہتے ہیں کہ جو لوگوں کی مختلف آرا سے واقف نہ ہو اسے فتوی نہیں دینا چاہئے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں جو شخص اختلافِ فقہا سے واقف نہ ہو وہ فتوے پر سب سے زیادہ جری یعنی اس میں غیر محتاط ہوتا ہے اور جو علما کے اختلاف سے واقف ہو وہ فتوی دینے میں سب سے زیادہ رکنے والا یعنی محتاط ہوتا ہے (۱۴)۔

حاصل یہ کہ اختلاف کو گوارا کرنا اور اس کو اس کا صحیح درجہ دینا شروع ہی سے مسلمانوں کی علمی روایت کا حصہ رہا ہے۔ اسی روایت کا اثر برصغیر میں مسلمانوں کی علمی روایت کی طرف منتقل ہونا بھی ناگزیر تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برصغیر کے فرقہ وارانہ ماحول میں برداشت کی روایت

برصغیر میں اہل السنۃ والجماعۃ ہمیشہ اکثریت میں رہے ہیں۔ تاہم اہلِ تشیع کا بھی ہمیشہ قابلِ ذکر وجود رہا ہے۔ بعض علاقوں میں ان کی تعداد خاصی زیادہ رہی ہے۔ بعض جگہوں پر مقامی حکمران یا نواب وغیرہ اہل تشیع میں سے رہے ہیں۔ نظریاتی طور پر اہل السنۃ اور اہل تشیع کے درمیان بڑے نازک مسائل میں اختلاف موجود رہا ہے۔ ان مسائل پر بحث مباحثہ اور کتابیں لکھنے کا سلسلہ بھی رہا ہے۔ لیکن سوائے چند استثنائی مثالوں کے یہ اختلاف کبھی ایک دوسرے کے لئے جانی خطرات کا باعث نہیں بنا۔ جن مسائل میں فریقین کے درمیان اختلاف رہا ہے وہ بنیادی طور پر تو حضور اقدس ﷺ کی رحلت کے بعد کی تاریخ کے پیدا کردہ ہیں، تاہم ان کے ساتھ چونکہ کئی مقدس اور محترم شخصیات کے ساتھ عقیدت کا معاملہ آ گیا ہے اس لئے انہوں نے بہت زیادہ نزاکت اور حساسیت اختیار کر لی اور اس اختلاف کی حیثیت اصولی اختلاف کی بن گئی۔ اگرچہ اب بھی فریقین کے درمیان بہت سے مشترکات موجود ہیں، دین کے اصل الاصول امور میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ برصغیر کی درس و تدریس کی روایت میں اہلِ سنت کے ہاں اہلِ تشیع کی کئی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ نحو میں کافیہ پر رضی کی شرح کسی زمانے میں یہاں داخلِ درس رہی ہے۔ کافیہ کے مصنف معروف سنی مالکی فقیہ و اصولی اور نحوی ہیں اس کے شارح رضی شیعہ ہیں۔ لیکن متن اور شرح دونوں کہیں نہ کہیں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے ہاں داخلِ درس نظر آتی ہیں۔ درس نظامی میں شامل منطق کی ایک معروف کتاب شرح تہذیب کے مصنف شیعہ ہیں۔ جبکہ خود تہذیب کے مصنف علامہ تفتازانی سنی ہیں۔ اور متن اور شرح دونوں حلقہ ہائے درس میں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔

اور تو اور برِصغیر میں غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور اچھے میل جول کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ ہماری تاریخ کا سنہری حصہ ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں کو چونکہ غیر مسلموں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واسطہ زیادہ پڑتا رہا ہے اس لئے یہاں اس کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں اس پر مواد اگر جمع کیا جائے تو وہ پوری ایک کتاب کا مواد بن سکتا ہے۔ یہ بات تو برصغیر کی تاریخ کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں صوفیائے کرام کے دروازے ہر ایک کے لئے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو کھلے ہوتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے ایک مکتوب (مکتوب نمبر : ۶۳) میں اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان جب آمد ہوئی تو یہاں باہمی اختلاط کا جو ماحول تھا اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا، اور یہ کہ عموماً مسلمان بادشاہوں کی طرف سے ہر مسئلے کا حل طاقت سے کرنے کی پالیسی سے کیسے نقصان پہنچا۔ دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے اکبر کی پالیسی پر اگرچہ عام طور پر دینی حلقوں میں تنقید کی جاتی ہے اور اس تنقید کی جائز وجوہ اپنی جگہ موجود ہیں تاہم مولانا مدنی کا نقطۂ نظر اس سے قدرے مختلف ہے۔ وہ اکبر کی پالیسی کو بعض پہلوؤں سے فائدہ مند قرار دیتے ہیں۔ مولانا مدنی کا یہ مکتوب اگرچہ طویل ہے تاہم اس کے چند اقتباسات نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ”پادشاہانِ اسلام نے اولا تو اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ بلکہ وہ تمام باتوں کا قوت سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر شاہانِ مغلیہ کو ضرور اس طرف التفات ہوا۔ خصوصاً اکبر نے ۔۔۔ اگر اس [اکبر] کے جیسے چند بادشاہ اور بھی ہو جاتے یا کم ازکم اس کی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو ضرور بالضرور برہمنوں کی یہ چال [کہ نفرت کی فضا پیدا کر کے لوگوں کو اسلام سے روکا جائے] مدفون ہو جاتی اور اسلام کے دلدادہ آج ہندوستان میں اکثریت میں ہوتے ، اکبر نے نہ صرف اشخاص پر قبضہ کیا تھا ، بلکہ عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا ، مگر ادھر تو اکبر نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفسِ دینِ اسلام میں کچھ غلطیاں کیں جن سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہوئی، اگرچہ بہت سے بدظنی کرنے والے غافل اور کم سمجھ تھے، ادھر برہموں کے غیظ وغضب میں اپنی ناکامیاں دیکھ کر اشتعال پیدا ہوا، ادھر یورپین قومیں خصوصاً انگلستان کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ تلاش کرنا پڑا اور سب سے بڑا ذریعہ اس کے لئے منافرت بین الاقوام تھا اور ہے"۔

آگے چل کر اسی پالیسی کی تائید میں دلائل دیتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے۔ اور جس روز صلح حدیبیہ تمام وکمال کو پہنچی ہے اسی روز انا فتحنا الآیہ نازل ہوتی ہے جس پر حضرت عمر تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں أوفتح هو يا رسول الله؟ آپس میں اختلاط ہونا، نفرت میں کمی آنا، مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا اٹھ جانا، یہی امور تھے جنہوں نے افلاذ اکباد قریش کو کھینچ [کر] صلحِ حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینے کو پہنچا دیا، حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اس طرح حلقہ بگوش اسلام بن گئے کہ قریش کی ہستی فنا ہوگئی۔

"الغرض اختلاط باعثِ عدمِ تنافر ہے، اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا اور تنافر باعثِ ضد اور ھٹ اور عدمِ اطلاع علی المحاسن ہے اور وہ [تنافر] اسلامی ترقی میں سدِ راہ ہونے والا، اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہو سکے غیر کو اپنے میں ھضم کرے نہ یہ کہ ان کو دور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے، اس لئے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان کے ساتھ نفرت نہ کرنا چاہئے، اگر وہ ہم کو نجس اور ملچھ کہیں تو ہم کو ان کو یہ نہ کہنا چاہئے، اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہیئے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں ہم کو ان سے ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہئے، اسلام پدرِ شفیق ہے، اسلام مادرِ مہربان ہے، اسلام ناصحِ خیر خواہ ہے، اسلام جالبِ اقوام ہے، اسلام ہمدردِ نوعِ بنی انسان ہے، اس کو غیروں سے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا پر کار بند ہونا شایاں نہیں، بلکہ اس کی غرض [تبلیغ] کے لئے سدّ یاجوج ہے، کفر نے کبھی اسلام سے عدل وانصاف نہیں کیا، [کیف و]إن یظهروا علیکم لا یرقبوا فیکم إلا ولا ذمة الخ وغیرہ شاہدِ عدل ہیں، مگر اسلام نے انصاف عدل واحسان کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ چھوڑنا مناسب تھا، اگرچہ جذباتِ انتقامیہ بہت کچھ چاہتے تھے"

اسی مکتوب کے حاشیے میں مرتبِ مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحیؒ وصیت نامہ شہنشاہ بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کا اقتباس نقل کرتے ہیں ۔ یہ ایک اقتباس محض ایک بادشاہ کی وصیت کے طور پر یہاں پیش نہیں کیا جارہا بلکہ اس لئے بھی کہ ایک مستند عالم اسے بنظرِ استحسان نقل کررہے ہیں:

"اے پسر! ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے ۔ الحمد للہ اس نے بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے ۔ تمہیں لازم ہے کہ تم تعصبات مذہبی کو لوحِ دل سے دھوڈالو اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کار کا لحاظ رکھو ۔ ۔ ۔ عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہ سے خوش رہے، ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا''

مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبند کے بڑے اساتذۂ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ صاحب دل اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ ان کے ہاں غیر مسلموں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا تھا اسے ایک اور صاحبِ باطن بزرگ مولانا احمد علی لاہوریؒ بیان کرتے ہیں۔ یہاں پورا اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ اصل بات کے ساتھ ان کے باطنی مرتبے کا بھی اندازہ ہو اور آخر میں ذکر کی جانے والی بات کی اہمیت سامنے آئے۔ مولانا عبید اللہ انورؒ اپنے والد مولانا احمد علی لاہوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے انہیں اپنے ہاں دیوبند میں تین دن قیام کے لئے بلایا:

تین دن میں جو وہاں رہا ہوں تو دن رات ایک لحہ نہیں سویا، ہر وقت ذکر میں مشغول رہا۔ ایک لحہ بے وضو نہیں ہوا، اور ایک لحہ بھی غافل نہیں ہوا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ جیسے مہمان کے آنے سے دل کو راحت ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ اب میں دنیا سے جا رہا ہوں۔ جو اللہ نے تعالی نے مجھے دے رکھا ہے کچھ تحفے میں چاہتا ہوں کہ ساتھ نہ لے جاؤں بلکہ یہ فیض جاری رہے۔ جو مانگتے ہیں وہ اہل نہیں اور جو اہل ہیں وہ مانگتے نہیں۔۔۔۔ حضرت میاں اصغر حسینؒ اس قدر عبادت کرتے تھے کہ جس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ ایسے ایسے واقعات ہیں کہ سنیں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ہر وقت ان کے پاس ہندو، عیسائی، مسلمان غرض مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ **گھر کا ایک کمرہ غیر مسلموں کے لئے عبادت گاہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔**''(۱۵)

یہ کہنا تو شاید خالی از مبالغہ نہ ہو کہ برصغیر میں اہل السنۃ اور اہل تشیع کے تعلقات بہت مثالی اور قابلِ رشک رہے ہیں، لیکن یہ کہنا ضرور درست ہوگا کہ ان میں کبھی اتنا زیادہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنے طویل عرصے کا تناؤ نہیں رہا جتنا ہمارے ہاں اسّی کی دہائی کے بعد سے نظر آ رہا ہے۔

کچھ عرصے سے یہ تاثر عام سا ہو گیا ہے کہ اہلِ تشیع کو تمام علمائے اہل السنۃ کافر قرار دیتے ہیں اور یہ کہ یہ ان کا متفقہ فتوی ہے۔ یہاں فتاوی کی تفصیل میں جانے کا تو موقع نہیں ہے لیکن یہ غلط فہمی ضرور دور ہو جانی چاہئے اور یہ بات سامنے آنی چاہئے کہ تکفیرِ شیعہ کا کوئی متفقہ فتوی موجود نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ اہل السنۃ والجماعہ کے نزدیک ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے۔ اگرچہ متاخر زمانے میں اہلِ تشیع کی بطور فرقہ عمومی تکفیر کو بعض حلقوں کی طرف سے بہت زیادہ شد و مد سے بیان کیا گیا ہے لیکن اس رائے سے اختلاف رکھنے والے بھی خاصی تعداد میں موجود رہے ہیں۔ جن حضرات نے تکفیر کی ہے ان کی ایک بڑی تعداد نے بھی درحقیقت بطور فرقہ تمام اہل تشیع کی تکفیر کرنے کی بجائے بعض عقائد کی تکفیر کی ہے، جس جس کے یہ عقائد ہوں وہ مسلمان نہیں ہے، مثلاً یہ کہ وہ حضرت علی رضی اللہ کو نعوذ باللہ خدا مانتا ہو، قرآن کو نہ مانتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ درحقیقت کسی فرقے کی تکفیر نہیں ہے، اس لئے کہ یہی عقیدہ شیعہ کے علاوہ کسی بھی فرقے کا شخص اختیار کرے اس پر یہی حکم لاگو ہوگا۔ فقہ حنفی کی متاخرین کی کتب میں ان کفریہ عقائد کے حاملین کے لئے غالی شیعہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ غالی شیعہ کے حوالے سے جو عقائد ذکر کیے گئے ہیں آج کل کے عام شیعہ حضرات انہیں اپنے عقائد تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت علی کا خدا ہونا، حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہونا کہ اصل میں حضرت علی کے پاس وحی لانی تھی لیکن غلطی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے، تحریفِ قرآن کا قائل ہونا۔ آج شیعہ حضرات ان عقائد کی اپنی طرف نسبت کو غلط قرار دیتے ہیں۔ گویا کہ آج کے مین سٹریم کے بہت سے شیعہ حضرات پر فقہاء کی اصطلاح ''غالی شیعہ'' صادق نہیں آتی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی متاخرین میں فقہ حنفی کا بہت معروف نام ہیں۔ وہ لکھنو کے رہنے والے تھے جو اہل تشیع کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، مولانا عبدالحی کا کثرتِ مطالعہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرب المثل ہے، اس لئے یہ بات بعید سی ہے کہ لکھنو جیسے شہر میں رہتے ہوئے وہ شیعہ مذہب سے ناواقف ہوں۔ مولانا لکھنوی کے مجموعۃ الفتاوی میں بڑی تعداد میں ایسے فتاوی میں موجود ہیں جن میں انہوں نے عام اہل تشیع کی تکفیر کا فتوی نہیں دیا۔ بلکہ جو شیعہ سبّ صحابہ کا مرتکب ہو یعنی صحابہ کے بارے میں نامناسب باتیں کہے یا حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کی خلافت کو نہ مانتا ہو اس کے بارے میں بھی محققین کا قول عدمِ تکفیر کا قرار دیا ہے اور عدمِ تکفیر ہی کو اصح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، اور جن حضرات نے ایسے شیعہ حضرات کی تکفیر کی ہے ان سے مفصل دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔

مثلا ایک استفتا میں امت کے تہتر فرقوں میں بٹنے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا گیا کہ ''بعضے صاحب فرماتے ہیں کہ رافضی کہ شیخین کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں کافر ہوگئے، بعضے کہتے کہ سب اہل اہوا [اہلِ سنت کے علاوہ دیگر فرقے] کافر ہیں، ایک فرقہ مسلمان ہے جس کو اہلِ سنت و جماعت کہتے ہیں اور بعضے صاحب فرماتے ہیں کہ رافضی کی توبہ قبول نہیں بلکہ اس کو قتل کرنا واجب ہے، جو شرع شریف میں لکھا ہو ارقام فرمائیں''۔ اس کے جواب میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھا (ان فتاوی کی زبان اگرچہ پرانی ہے، لیکن زبان کو آسان بنانے کی بجائے مولانا کی عبارات کو بعینہ نقل کیا گیا ہے):

> ''کتابوں عقائد اور فقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتر فرقہ جو اہل اہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں ہے، چنانچہ عبارت ان کتابوں جو یہاں موجود ہیں بعینہ مفصلہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں، اور عبارت فتاوی کی کہ سب الشیخین کفر ہے اس کا جواب بھی لکھا جاتا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔ بلکہ اعتقاد کفر کا اہل اہوا جو بدعتی ہیں ان کی طرف رکھنا بھی کفر ہے'' (۱۶)

مولانا لکھنویؒ سے پوچھا گیا کہ [illegible] کا نکاح زید کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ہوا جو شیعہ ہے۔ نکاح بھی شیعہ طریقے کے مطابق ہوا۔ ایک دفعہ رخصتی بھی ہو چکی ہے۔ لیکن اب ہندہ اپنے خاوند کے گھر دوبارہ جانے سے انکاری ہے اور اس کا مطالبہ ہے پہلے مہر معجّل ادا کیا جائے پھر جاؤں گی۔ جبکہ شیعہ مذہب میں خاوند مہر معجّل کی ادائیگی کے بغیر بھی اسے لے جا سکتا ہے، جبکہ فقہ حنفی کی عبارات مختلف ہیں۔ اب کیا کیا جائے۔ اس کے جواب مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ''اس صورت میں شوہر ہندہ کو قبل ادا کرنے مہر معجّل کے لا سکتا ہے، موافق قول صاحب بحر رائق کے''(۱۷)۔

اسی طرح ان سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک حنفی شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی ایک بیٹی مذہب امامیہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ کیا اس بیٹی کو وراثت میں حصہ ملے گا تو مولانا لکھنویؒ نے جواب میں لکھا ہے اس لڑکی کو بھی وراثت میں اپنا حصہ ملے گا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شیعہ لڑکے نے سنی لڑکی کو دھوکا دے کر نکاح کر لیا۔ اسے اس نے یہ باور کرایا کہ میں سنی ہوں جبکہ حقیقت میں وہ شیعہ تھا۔ حقیقتِ حال واضح ہونے کے بعد نکاح کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس نکاح کو نافذ قرار دیا، البتہ یہ قرار دیا کہ شیعہ سنی چونکہ ایک دوسرے کے کفو نہیں ہیں، اور نکاح کے وقت غیر کفو ہونے کا علم نہیں تھا اس لئے اس نکاح کو عدمِ کفاءت کی بنیاد پر فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ گویا محض لڑکے کے شیعہ ہونے کی وجہ سے نکاح کو باطل قرار نہیں دیا۔ مولانا تھانویؒ چند فقہی عبارات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں ولی منکوحہ اور اسی طرح بعد بلوغ خود منکوحہ کو بھی اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔ اور یہ فسخ بحکم حاکم ہوگا [یعنی اپنے طور پر میاں بیوی جدائی اختیار کر کے عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی] جو کہ علاقہ حیدرآباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کا ایک فتوی مفتی محمد شفیعؒ کا بحیثیت مفتی دارالعلوم دیوبند موجود ہے، یہاں بھی مفتی صاحب نے شیعہ کے کافر ہونے کو بنیاد بنا کر نکاح از ابتدا باطل قرار نہیں دیا بلکہ دھوکا دہی کی وجہ سے دوسرے فریق کو فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ سوال و جواب دونوں ملاحظہ ہوں:

> سوال: زید سنی کی لڑکی کو دھوکا سے عمر شیعہ اپنے نکاح میں لایا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور عمر شیعہ زید کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟ عمر کو زید کے قبرستان میں مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟
>
> الجواب: اگر عمر نے اپنے آپ کو مثلاً سنی حنفی ظاہر کر کے زید کو دھوکا دے کر اپنا نکاح زید کی لڑکی سے کرلیا اور واقعۃً عمر شیعہ ہے تو اس صورت میں عورت اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔۔۔۔۔۔ اور عمر زید کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے۔ اور عمر کو زید کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز ہے۔ اس طرح کے امور میں جھگڑا فساد کرنا نہیں چاہئے (۱۹)۔

دارالعلوم دیوبند کے مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ سے پوچھا گیا کہ لداخ کے علاقے میں اکثر شیعہ ہوتے ہیں اور اکثر ہوٹل بھی انہی کے ہوتے ہیں، ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہوگا، تو انہوں جواب میں لکھا:

> اگر ان کے متعلق یہ تحقیق نہیں کہ ان کے عقائد قرآن کریم کے خلاف ہیں تو ان کے ہوٹل میں اور ان کا ذبیحہ کھانے کی گنجائش ہے (۲۰)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے خیال میں ایسے شیعہ بھی ہوتے ہیں جن کے عقائد قرآن کریم کے خلاف نہ ہوں۔

مولانا میاں اصغر حسینؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بڑے اساتذہ میں سے اور صاحبِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام مسلمانوں کے لئے ایک کتاب لکھی، جس کا نام "مفید الوارثین" ہے۔ اس کے مقدمے میں وہ فرماتے ہیں:

> اثنائے تحریر رسالہ ایک معتبر کتاب مذہبِ شیعہ کی مل گئی تھی۔ ارادہ تھا کہ حاشیہ پر جا بجا اہل سنت اور شیعوں کا اختلاف ظاہر کردوں، تاکہ ساتھ ساتھ دو فرقوں کے فرائض [احکامِ میراث] کا بیان ہو جائے۔ لیکن چونکہ رسالہ پہلے ہی سے بہت طویل ہو گیا تھا اس لئے کچھ ارادہ ڈھیلا ہوا۔ پھر اس خیال نے بالکل ہی ارادہ فسخ کرادیا کہ اہل سنت کو اس کی ضرورت نہیں اور شیعہ صاحب میرے لکھے ہوئے کا کیوں اعتبار کریں گے(۲۱)۔

اسی کتاب میں جہاں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم شرعاً ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے اور مسلمان رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، وہاں لکھتے ہیں:

> شیعہ وسنی میں اکثر علما کے نزدیک میراث جاری ہوتی ہے۔ یعنی سنی میت کے شیعہ وارث میراث سے محروم نہ ہوں گے، اسی طرح شیعہ کے ترکہ میں اہلِ سنت حسب قاعدہ میراث اور حصہ پائیں گے(۲۲)۔

اسی کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

> میراث المسلمین میں یہ مسئلہ دیکھ کر ایک صاحب بہت خفا ہوئے تھے۔ پھر کسی کو اگر شک ہو تو در مختار و شامی و فتح القدیر کی وہ عبارتیں دیکھ لیں جو مولانا عبد العلی بحر العلوم نے مسلم الثبوت کی شرح میں نقل فرمائیں ہیں۔ یا شامی نے جو باب المرتدین میں تحقیق وتفصیل فرمائی ہے ملاحظہ فرمالیں۔ البتہ وہ شیعہ جو بالکل کفریہ عقائد رکھتا ہو تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا حال مثلِ کافروں کے سمجھا جائے گا۔

اب آخری زمانے میں مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ کے بارے میں ماہنامہ الشریعہ کی متعدد اشاعتوں میں یہ بات آچکی ہے وہ بھی تکفیرِ شیعہ کے قائل نہیں تھے۔ عام طور پر تکفیر شیعہ کی ایک بنیاد تحریفِ قرآن کو قرار دیا جاتا ہے جبکہ علامہ شمس الحق افغانیؒ نے علوم القرآن میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شیعہ بھی تحریفِ قرآن کے قائل نہیں ہیں، یہی بات اس سے بہت پہلے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ردِ عیسائیت پر اپنی معروف کتاب ''اظہار الحق'' میں فرما چکے ہیں۔

یہاں مقصود فتاویٰ جات کا احاطہ یا ان میں راجح مرجوح کا فیصلہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود یہ دکھانا ہے کہ یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ بطور فرقہ شیعہ کو کافر کہنا اہلِ سنت کا متفقہ موقف ہے یہ درست نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں جب بھی مسلمان طبقات اور فرقوں کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں اہلِ تشیع کو بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھ کر ساتھ شامل کیا گیا۔ مولانا سید فرید الوحیدی مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

> ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے تیس دوسرے قوم پرور مسلمان لیڈروں کے ساتھ ''نیشنلسٹ مسلم کانفرنس'' قائم کی۔ اگرچہ ان کی سرگرمیوں کا اصل مرکز بدستور کانگریس کا کام رہا۔ نیشنلسٹ مسلم کانفرنس اپنی کوئی مستقل جداگانہ تنظیم قائم نہیں کر سکی، لیکن قوم پرور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں جمعیت علماء، شیعہ پولیٹکل کانفرنس، مجلس احرار ور خاں عبدالغفار خاں کی تنظیم کے لئے مشترک پلیٹ فارم کا کام دیتی رہی (۲۳)۔

یہاں شیعہ پولیٹکل کانفرنس کو مسلمانوں ہی کی ایک تنظیم کے طور پر لیا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان بن جانے کے بعد جب یہ سوال اٹھا کہ ملک میں اگر ا نافذ کیا جائے تو کونسے فرقے کا۔ اس چیز کو نفاذِ اسلام سے گریز کا ایک بہانہ بنا لیا گیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے علما حکومتِ وقت اور ریاستی اداروں کو اپنے کچھ مشترکہ اور متفقہ اصول بتادیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک مشاورت کے نتیجے میں علما نے دستور سازی میں راہ نمائی کے لئے بائیس متفقہ نکات پیش کیے۔ ان نکات کی تیاری اور ان پر دستخط کرنے والوں میں تمام مکاتبِ فکر کے علما شامل تھے۔ شیعہ حضرات کی طرف سے دو نام یہاں قابلِ ذکر ہیں، مفتی جعفر حسین مجتہد رکن بورڈ تعلیمات اسلام اور مفتی کفایت حسین مجتہد ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان۔ گویا اس سارے معاملے میں اہل تشیع باقی مکاتبِ فکر کے ساتھ چل رہے ہیں اور باقی مکاتب فکر بھی انہیں مسلمانوں کا ہی ایک طبقہ اور مکتبِ فکر سمجھ کر معاملہ کرر ہے ہیں۔

ختمِ نبوت کی تمام تحریکوں میں شیعہ حضرات باقی مکاتبِ فکر کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ ۱۹۷۴ء کی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت جس کے صدر مولانا محمد یوسف بنوریؒ تھے اس کے دو نائب صدر مولانا عبد الستار نیازی اور اور سید مظفر علی شمسی (شیعہ) تھے(۲۴)۔

نوے کی دہائی میں جب ملی یک جہتی کونسل بنی تو اس میں بھی شیعہ حضرات شامل تھے۔ اسی طرح اب پاکستان کے دینی مدارس کی تنظیموں کا ایک اتحاد ''اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دینیہ'' موجود اور فعال ہے، جس میں شیعہ حضرات کا وفاق المدارس بھی شامل ہے۔ یاد رہے کہ یہ محض مذہبی تعلیمی اداروں کا اتحاد نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے دینی تعلیم کے اداروں کا اتحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مسیحی یا قادیانی دینی درس گاہ کے اس اتحاد میں شامل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پھر ان دونوں فرقوں میں بحث مباحثوں اور مناظروں کا بازار بھی اگر چہ گرم رہا، لیکن خود ان مباحثوں میں حصہ لینے والے حضرات میں کئی سنجیدہ شخصیات کا یہ احساس رہا کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباحثے شائستگی کی حدود سے باہر نہیں نکلنے چاہئیں اور انہیں ماحول میں تلخی اور افتراق و انتشار کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ پاکستان میں مولانا قاضی مظہر حسین چکوالویؒ کا نام اہل تشیع کی تردید میں لکھنے کے حوالے سے بہت معروف ہے۔ ان کے والد مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ بھی اسی میدان کے شہسوار تھے۔ لیکن ان کے احساسات ان کے چند اقتباسات کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں، تا کہ اندازہ ہو کہ ہر مکتبِ فکر میں ہمیشہ ایسے حضرات موجود رہے ہیں جو ماحول کو تلخی تک پہنچانے سے گریزاں رہتے تھے۔ آگے ذکر کردہ اقتباسات کا پس منظر یہ ہے کہ ان کے زمانے کے احمد شاہ نامی ایک شیعہ عالم جو پہلے سنی تھے نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں خلفاء ثلاثہ (حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ) پر اعتراضات کئے گئے اور نامناسب زبان استعمال کی گئی تھی۔ اس کے جواب میں مولانا کرم الدین دبیر (والد مولانا قاضی مظہر حسینؒ) نے السیف المسلول کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ احمدؒ شاہ ہی کے نام کے ایک عیسائی ہوجانے والے شخص نے نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں ایک تکلیف رسالہ لکھا تھا، جس کا ذکر دبیر صاحب کی بعض عبارات میں موجود ہے۔ دبیر صاحب اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''مشتہر صاحب [احمد شاہ] نے محض فرقہ اہل سنت والجماعت کا دل دکھانے اور دونوں فرقوں (شیعہ وسنی) کے مابین تخم نفاق بونے کی غرض سے یہ اشتہار لکھ دیا ہے۔۔۔۔ افسوس کہ آج کل انقلاب زمانہ سے ایسا تو کوئی مردِ خدا دنیا میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتا جو بنی نوع انسان میں اتفاق اور اتحاد بڑھانے کی سبیل پیدا کرنے کی سعی کرے۔ لیکن اختلاف ڈالنے اور تفرقہ پیدا کرنے والے ہزاروں پہلوان ہر طرف گونجتے پھرتے ہیں''

یہ کسی سیاسی مصلح یا سیکولر مدرس کے الفاظ نہیں بلکہ ایک میدانِ مناظرہ کے شہسوار کے احساسات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ مزید لکھتے ہیں:

''چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے دوست احمد شاہ جو فرقہ اہل سنت والجماعت کے گھر میں پیدا ہوئے اور انہی کے گھر میں پرورش پاکر علم سیکھا ہے اب اگر کسی مصلحت یا اتفاق سے وہ فرقہ شیعہ میں جاملے ہیں، وہ اس بات کی کوشش کرتے کہ دونوں فرقوں میں رابطہ اتحاد پیدا ہو اور باہمی اتفاق و محبت کی صورت قائم ہو۔

احمد شاہ عیسائی کے ساتھ ان شیعہ صاحب کا تقابل کرتے ہوئے موخر الذکر سے شکوہ کناں ہیں کہ انہیں مسلمان ہوکر ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد لکھتے ہیں:

''شیعہ وسنی دونوں فرقے ایک خدا کی پرستش کرنے والے ایک نبی، ایک قرآن پر ایمان لانے والے اور ایک قبلہ کی طرف سر جھکانے والے ہیں۔ پھر افسوس ان دو متحد المقاصد فرقوں میں احمد شاہ شیعی جیسے ریکروٹ نئے بھرتی ہونے والے حضرات اتحاد قائم نہیں رہنے دیتے''

پھر اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ہر فرقے میں اس طرح کے جذباتی لوگ ہوتے ہیں جو ماحول کی خرابی کا باعث بنتے ہیں، لکھتے ہیں:

''صاحبان! جب تک دونوں فرقوں میں ایسے مجذوب الخیال اور مسلوب الحواس لوگ چن چن کر ''کالا پانی'' نہ بھیج دیئے جائیں ان دونوں فرقوں میں یکجہتی اور اتحاد قائم ہونا مشکل ہے''۔

کالا پانی یا جزائر انڈمین وہ جگہ تھی جہاں انگریزی دور میں مجرموں بالخصوص ''باغیوں'' کو سزا بھگتنے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ یہ پھر ذہن میں رہے یہ ایک ایسی شخصیت کی تحریر ہے جو خود اہل تشیع کی تردید کے حوالے سے معروف ومشہور ہیں۔ مقصد ذکر کرنے کا یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مباحثوں میں دلچسپی لینے والی شخصیات میں بھی ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو اختلاف کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف ہی رکھنا چاہتے تھے، جھگڑا نہیں بنانا چاہتے تھے۔

اپنی اس کتاب کے مقدمے میں صرف خود کو ہی امن کے خواہش مند کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ دوسری طرف بھی اسی طرح کے جذبات رکھنے والے لوگ موجود ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''میں کبھی باور نہیں کر سکتا کہ کہ دونوں فرقوں کے مہذب اور اولی الابصار لوگ ایسی نفاق انگیز تحریروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔ بلکہ وہ تو ایسی مفسدہ تحریریں پڑھ کر جل بھُن جاتے ہوں گے۔ مگر کیا کریں یہ لوگ کسی کے قابو میں نہیں کہ اپنے یا بیگانے کسی کی سنیں۔

> ''مجھے یاد ہے کہ اسی اشتہار کی نسبت پچھلے دنوں ایک شیعہ بزرگ مولوی مہر محمد شاہ خوش نویس جہلم نے ''سراج الاخبار'' میں ایک مضمون شائع کروایا تھا جس میں انہوں نے مُشتہر (احمد شاہ) صاحب کو بہت کچھ پھٹکار کی۔ اور ایسے شرمناک اشتہار کی اشاعت پر بہت افسوس ظاہر کیا اور اصحاب ثلاثہؓ کا ایمان بروئے آیاتِ قرآنی ثابت کر کے مشتہر صاحب کو نادم کیا اور بڑے زور سے دعوت دی کہ اگر اس کو اس بارہ میں کچھ شک ہے تو ان سے زبانی مباحثہ کر کے اپنا اطمینان کر لیں۔''

اس اقتباس میں ایک قابل توجہ بات تو یہ ہے کہ دوسرے فرقے کے پیشوا کو بھی ''بزرگ'' کے لقب سے یاد کیا جا رہا ہے۔ دوسرے اس بیان سے اس تاثر کی بھی نفی ہو گئی کہ ہر ہر شیعہ حضراتِ خلفاء ثلاثہ کو برا بھلا کہتا یا اسے استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس معلوم ہوا کہ اہل تشیع میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے بعض لوگوں کے غلو کی اصلاح کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کا ایک ایمان قرآن سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال یہ ہے کہ جب کویت کے یاسر نامی ایک عرب نے نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بعض افترا پردازیاں کیں تو ایران کی اعلیٰ ترین قیادت نے بھی اس کی سختی سے تردید کی اور صراحتاً یہ کہا کہ اس طرح کا الزام نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگانا غلط ہے بلکہ کسی بھی نبی کی بیوی کے بارے میں اس طرح کی لب کشائی جائز نہیں ہے۔

برصغیر میں فرقہ وارانہ تقسیم کا ایک اہم زاویہ حنفی اور اہل حدیث تقسیم ہے۔ اگرچہ دونوں طرف کے حضرات کے درمیان مناظرہ بازی اور کبھی کبھار دشنام بازی بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن دونوں طرف کے سنجیدہ اور راسخ علم رکھنی والی شخصیات نے ہمیشہ نہ صرف یہ کہ اس اختلاف کو اپنی حدود میں رکھنے کی کوشش کی بلکہ ایک دوسرے کے احترام کی مثالیں بھی قائم کیں۔ اس سلسلے میں چند واقعات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حنفی ، اہلِ حدیث اختلاف کا ایک اثر جو دینی مدارس میں درس و تدریس کے ماحول پر مرتب ہوا اور پھر عوامی ماحول بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا یہ تھا کہ درس و تدریس بالخصوص حدیث کی تدریس کا ایک بڑا حصہ نماز میں رفع یدین ، آمین بالجہر جیسے چند ایسے مسائل پر صرف ہونے لگا کہ جن میں عہدِ صحابہ سے دونوں طرح کے عمل چلے آرہے ہیں اور دونوں طرف حدیثیں بھی موجود ہیں۔ ان مسائل پر بحث اس انداز ہونے لگی کہ ہر فریق یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگا رہا کہ ذخیرۂ حدیث صرف اور صرف اسی کے موقف کی ترجمان ہے دوسرے فریق کے پاس کچھ موجود نہیں۔ دوسرا فریق جن احادیث کو اپنی دلیل سمجھ رہا ہے یہ محض اس کی خام خیالی ہے۔ جبکہ یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ تاہم درس و تدریس کے حلقوں میں اصل حقیقت کا ادراک بھی موجود رہا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا طرزِ تدریسِ حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جب کوئی ایسی حدیث آجاتی جو بظاہر مفہوم کے لحاظ سے
> قطعی طور پر حنفی مذہب کے خلاف ہوتی اور پڑھنے والا طالب علم خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رک کر دریافت کرتا یا دوسرے طلبہ پوچھتے ''حضرت یہ حدیث تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قطعاً خلاف ہے'' جواب میں مسکراتے ہوئے بے ساختہ شیخ الہندؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے، '' خلاف تو ہے بھائی! میں کیا کروں؟ ہاں آگے چلئے'' (۲۵)۔

بظاہر کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔ اجتہادی اختلافی مسائل میں تو ایسا ہوتا ہی ہے کہ ہر فریق کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے اور ہر فریق کی دلیل بظاہر دوسرے فریق کے خلاف ہوتی ہے اس لئے ایسے مسائل میں یہ توقع رکھنا کہ ہمارے خلاف کوئی دلیل نہ ہو کا مطلب یہ بنتا ہے کہ دلیل صرف ہمارے پاس ہو دوسرے فریق کے پاس نہ ہو، اگر ایسا ہوتا تو اس مسئلے میں اختلاف ہی کیوں ہوتا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ متصلب اور متبحر حنفی علما میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے فقہ حنفی کی تائید میں اعلاء السنن جیسی ضخیم کتاب بھی تالیف کروائی۔ اس کے باوجود بعض اہلِ حدیث حضرات ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور مولانا تھانوی کی طرف سے ان کی خانقاہ میں رفع یدین وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اہل حدیث اور حنفی حضرات میں جن مسائل پر بحث مباحثے کا بازار گرم رہتا ہے یہ وہ مسائل ہیں جو عہدِ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور ہی سے مختلف فیہ چلے آرہے ہیں۔ مولانا تھانوی ان مسائل کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اس کے بارے میں ملاحظہ ہو ان کے ایک وعظ سے اقتباس:

''یہ بھی وجہ ہے ہندوستان میں تقلیدِ مذہبِ حنفی کے وجوب کی کہ یہاں رہ کر کسی دوسرے مذہب پر صحیح عمل نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہندوستان کے اکثر علما حنفی ہیں، اور یہاں کتابیں بھی فقہِ حنفی کی زیادہ ملتی ہیں، اساتذہ بھی اسی فقہ کے میسر ہو سکتے ہیں، دوسرے فقہ کی نہ زیادہ کتابیں یہاں موجود ہیں، نہ ان کے پڑھانے والے میسر آسکتے ہیں، تو عمل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا صورت ہو۔ ہمارے ایک مہربان مکہ مکرمہ جا کر شافعی 'بن آئے ہیں۔ یہ تو کوئی ملامت وطعن کی بات نہیں تھی۔ اگر تحقیق کے ساتھ دوسرے مذہب کو اختیار کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مذاہب اربعہ سب حق ہیں۔ ہاں تلعب بالمذاہب البتہ حرام ہے کہ اس کو کھیل بنا لیا جائے" (۲۶)۔

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بات مولانا تھانوی ہی کے ایک فیض یافتہ مولانا حبیب احمد کیرانوی نے انہی کی سرپرستی میں لکھی جانے والی کتاب "إعلاء السنن" کے فقہی مقدمے میں لکھی ہے۔ مولانا حبیب احمد کیرانوی نے پہلے تو مختلف فقہوں کے مقلدین کے اس دعوے اور دلیلوں کو ذکر کیا ہے کہ ان کے بقول ان کے امام کی فقہ سب سے افضل ہے۔ یہ باتیں نقل کرنے کے بعد مولانا نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان کی تردید کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ بذاتِ کسی امام کی فقہ کو دسرے امام کی فقہ پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے، اسی سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:

> والحق أن الأئمة المقتدى بهم فى الدين كلّهم على هدى مستقيم ، فأىّ مذهب من مذاهبهم كان شائعا فى بلد من البلاد وفى العلماء به كثرة يجب على العامى اتباعه ، ولا يجوز له تقليد إمام ليس مذهبه شائعا فى بلده ولا فى العلماء به كثرة ؛ لتعذر الوقوف على مذهب ذلك الإمام فى جميع الأحكام والحال هذه ، فافهم ، فإن الحق لايتجاوز عنه إن شاء الله تعالى ، ولو شاعت المذاهب كلّها فى بلد من البلاد واشتهرت ، وفيه من العلماء بكل مذهب عدد كثير جاز للعامى تقليد أىّ مذهب من المذاهب شاء ، وكلّها فى حقه سواء ، وله أن لا يتمذهب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بمذهب معين ، ويستفتي من شاء من علماء المذاهب ، هذا مرة وذلك أخرى ، كما كان عليه السلف الصالح رضى الله عنهم ، بشرط أن لا يلفّق بين مذهبين في عمل واحد ، ولا يتتبع الرخص متبعا هواه ، لأن ذلك من التلهي وهو حرام بالنصوص

''صحیح بات یہ ہے کہ جن ائمہ کی بھی اقتدا کی جاتی ہے وہ سارے کے سارے سیدھے راستے پر ہیں، لہذا ان کے مذاہب میں سے جس کا مذہب بھی کسی علاقے میں مروّج ہو اور وہاں اس مذہب کے جاننے والوں کی کثرت ہو تو عامی پر اس مذہب کی اتباع واجب ہے، اور اس کے لئے ایسے امام کی تقلید درست نہیں ہے جس کا مذہب وہاں عام نہ ہو اور اس مذہب کے جاننے والے کثرت سے موجود نہ ہوں، اس لئے کہ ایسی حالت میں تمام احکام میں اس امام کے مذہب کو جاننا انتہائی دشوار ہوگا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو، اس لئے کہ ان شاء اللہ حق اس سے متجاوز نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی علاقے میں تمام مذاہب رائج اور مشہور ہوں اور ہر مذہب کے جاننے والے علما بھی وہاں کثیر تعداد میں موجود ہوں تو عامی کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ ان مذاہب میں سے جس مذہب کی چاہے تقلید کر لے، اور یہ سارے مذاہب اس کے حق میں برابر ہیں، اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کسی متعین مذہب کو اختیار نہ کرے، بلکہ مختلف مذاہب کے علما میں سے جس سے چاہے مسئلہ دریافت کر لے، کبھی اِس سے، کبھی اُس سے، جیسا کہ سلفِ صالحین کا طریقہ تھا، بشرطیکہ ایک ہی عمل میں دو مذہبوں کے درمیان تلفیق نہ کرے اور اپنی خواہشات کی پیروی کی خاطر رخصتوں کا متلاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ بنے، اس لئے کہ یہ دین کو کھلونا بنانا ہے، جو نصوص کی رو سے ناجائز ہے،،(۲۷)۔

یہاں ایک معروف حنفی عالم مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ایک اہل حدیث عالم مولانا سید داؤد غزنویؒ کا واقعہ قابل ذکر معلوم ہوتا ہے۔ مولانا لاہوری کے جاری کردہ جریدے خدام الدین سے اسے بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اہل حدیث عالم حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ اطلاع بھجوائی کہ فلاں روز وہ اپنے رفقا کے ساتھ شیرانوالا تشریف لائیں گے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے اپنے مریدین تلامذہ اور عقیدت مندوں کو حکم فرمایا کہ مولانا سید داؤد غزنوی صاحب اور ان کے ساتھی جس نماز میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو آپ سب لوگ ان کے مسلک کے احترام میں رفعِ یدین کریں اور آمین بالجہر کہیں تاکہ ہمارے مہمانوں کو یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔ جبکہ مولانا سید داؤد غزنوی پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو تاکید فرما چکے تھے کہ شیرانوالا میں میرے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے آپ لوگ نہ رفع یدین کریں نہ اونچی آواز سے آمین کہیں۔ کیونکہ مولانا احمد علی حنفی مسلک ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس رواداری اور احترامِ مسلک کا یہ عجیب منظر دیکھا کہ حنفی مسلک نمازی رفع یدین کر رہے ہیں اور آمین بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں جبکہ اہلِ حدیث مہمانوں نے اپنے میزبان کے اکرام میں نہ رفع یدین کیا نہ آمین بالجہر پڑھی (۲۸)۔

ایک معروف صاحبِ دل اہلِ حدیث عالم مولانا ابوبکر غزنوی کے جماعتِ اہل یث سے ایک خطاب کے کچھ اقتباسات نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عام طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا یہ ہے کہ اپنے مخاطبین سے وہی باتیں کی جاتی ہیں جو وہ سننا چاہیں تا کہ ان کی نظر میں مقبولیت میں کمی واقع نہ ہو اس لئے عموماً دوسرے فرقے کی خامیاں زیادہ بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن اس خطاب میں مولانا ابوبکر غزنوی نے دوسرا انداز اختیار کیا ہے۔ یہ اقتباس پیش کر کے دکھانا یہ مقصود ہے کہ ہر مکتبِ فکر میں ایسے سنجیدہ علما موجود رہے ہیں جو دوسروں پر طعن و تشنیع کرنے کی بجائے اپنے حلقوں میں پائی جانے والی کوتاہیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ مشکل ہے لیکن اگر علما کی بڑی اکثریت وہ طرز اختیار کر لے جو مولانا غزنوی کی آنے والی دل سوز عبارتوں سے واضح ہوتا ہے تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''دوستو! وعظ کیا ہے، روحانی اور اخلاقی بیماریوں کی تشخیص کرنا اور دوا دینا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا تلخ ہوتی ہے اور بیمار ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ لیکن مشفق طبیب کو چاہئے کہ دوا کو حلق میں انڈیل دے۔ مریض کو جب شفا ہو جاتی ہے تو دعا دیتا ہے۔ دوستو! اگر مریض کو زکام ہو اور طبیب اسے معدے کی دوا دے تو اس کی نااہلی میں شک وشبہ کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے؟ اپنی اور سامعین کی جو بیماریاں ہوں انہیں ڈھونڈھنا اور ان کی دوا دینا یہ وعظ ہے۔۔۔ وہ واعظ دنیا دار ہے جس کا منتہائے نظر یہ ہو کہ دھواں دھار تقریر کی جائے، جذبات کو بھڑکا دیا جائے نہ اپنے کو فائدہ نہ دوسرے کو فائدہ۔ آج کل تو سر دُھننا، وجد میں آنا، نعرے لگانا، ہاؤ ہو کرنا وعظ کے لوازمات بن کر رہ گئے ہیں۔ میری نظر میں وعظ تو یہ ہے کہ بیماریوں کو چن چن کر بیان کیا جائے اور ان کا علاج کیا جائے۔''

اپنے حلقۂ خطاب یعنی جماعتِ اہلِ حدیث کو توحید کے حقیقی تقاضوں کی طرف متوجہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''دوسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ موحد ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بے مہار ہوجائے۔ رسیاں تڑوا بیٹھے۔ بے ادب اور گستاخ ہوجائے۔ اہل اللہ کی شان میں گستاخیاں کرے۔ محسنوں کا گریبان پھاڑے اور سمجھے کہ میں توحید کے تقاضے پورے کررہا ہوں۔ دوستو! میرا کام مرض کی تشخیص اور اس کا علاج ہے۔ گو مریض چیخے، چلائے، ناک بھوں چڑھائے۔ مشفق ڈاکٹر وہ ہے جو حلق میں دوا انڈیل دے۔ آج تم کسمساؤ گے، مضطرب ہو ہو کے زانو بدلو گے۔ مگر کچھ عرصے کے بعد مجھے دعا دو گے اور کہو گے کہ بات ٹھیک کہہ گیا تھا۔ جب مریض شفایاب ہوجاتا ہے تو کڑوی دوا دینے والے کو بھی دعا دیتا ہے۔

''دوستو! کچھ حدیثیں ایک مسجد میں بیان ہوتی ہیں، کچھ دوسری مسجد میں بیان ہوتی ہیں۔ اور کچھ ایسی ہیں جو کہیں بیان نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ ان کا بیان کرنا فرقہ وارانہ مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں۔''

اس کے بعد مولانا غزنوی نے تفصیل سے وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن سے صحابہ کرام کی ادب اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ والہانہ لگاؤ کی شان سمجھ آتی ہے تاکہ اپنے مخاطبین کو اس طرف متوجہ فرمائیں۔ اس کے بعد ''ارواحِ ثلثہ'' اور دیگر کتب کے حوالے سے ...ں اور بزرگانِ دین کے ادب کے حوالے سے اپنے اکابر کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ...رہے کہ ارواح ثلثہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تالیف ہے جس میں اولیائے امت بالخصوص ...غیر کے آخری دور کے بزرگوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ اہلِ ...یث حضرات اس طرح کی کتابوں کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن مولانا غزنوی کا مذکورہ بیان پورا ...ھنے سے اس تاثر کی بالکلیہ نفی ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

''دوستو! یہ فقرہ غور سے سنیں۔ موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا اور مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا بہت بڑی سعادت ہے۔ کچھ لوگوں کو توحید کی شُد بد ہوتی ہے تو ادب کی لطافتوں اور باریکیوں سے محروم ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کو ادب کی شد بد ہوتی ہے تو توحید کے معارف سے محروم ہوتے ہیں۔ مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا اور موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ دوستو! اور میں خدا سے اس سعادت کی بھیک مانگتا ہوں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''اور ہم جو اتباعِ سنت پر زور دیتے ہیں تو کیا سچ مچ سنت کی پیروی ہمارا شعار ہے؟ کیا چند فروعی مسائل پر جھگڑا اتباعِ سنت ہے؟''

اپنے حلقے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے، اس حوالے سے ہونے والی سستی اور کوتاہی کا شکوہ کرتے ہوئے اور اپنے بزرگوں کے اہتمامِ ذکر اور استغراق فی الذکر کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ تھے ہمارے اسلاف۔ ہم تو دنگا فساد لڑائی جھگڑے میں پڑ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے کی کھِلی اڑا رہا تھا اور اس پر پھبتی کس رہا تھا کہ تمہارا درود غیر مسنون ہے اور تم بدعتی ہو۔ میں نے اسے کہا کہ بھائی آج جمعہ تھا۔ خود تم نے کتنا درود پڑھا؟ یہ تو تم نے کہا کہ اس نے غلط درود پڑھا مگر تمہاری اپنی زبان بھی ساکت وصامت تھی۔ مسنون درود پڑھنے کی تمہیں ایک بار بھی توفیق نہیں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور ﷺ نے فرمایا: اکثروا علی الصلاۃ یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو'' (۲۹)۔

اب آتے ہیں دوسری طرف۔ مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا قریب کے زمانے کے محدثین میں جو مقام ہے وہ اسلامی علوم کے کسی بھی طالب علم سے مخفی نہیں۔ علمِ حدیث کے علاوہ کے فقہ حنفی پر بھی ان کے احسانات محتاجِ بیان نہیں۔ دینی مدارس میں علمِ حدیث کی تدریس کے دوران عموماً زیادہ زور ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ مسائل پر دیا جاتا ہے۔ انہی میں کچھ مسائل وہ ہیں جو حنفی اور اہلِ حدیث حضرات کے درمیان بحث مباحثے کا موضوع بنتے رہتے ہیں۔ یقیناً شاہ صاحبؒ نے ان مسائل پر مفصل بحثیں کیں۔ اگرچہ شاہ صاحب نے کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ پھر بھی ان تمام بحثوں کے بارے میں ان کے احساسات کیا تھے اس کا اندازہ انہی کے شاگردِ مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے بیان سے ہوسکتا ہے جو انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جارہا ہے:

> قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نمازِ فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے۔ کہا، ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کردی۔
>
> میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گذری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام لگی؟

فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی

میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا ہماری عمر، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاش خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی۔

ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر احسان کریں؟ اللہ تعالی نے انہیں جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا۔ وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔۔۔۔

پھر فرمایا:

ارے میاں اس کا تو حشر میں راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا اجتہادی مسائل۔ صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو۔ اور وہ خطا ہے کہ اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہو گا۔

اللہ تعالی شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن حنبل کو۔ جن کو اللہ تعالی نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کا بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنھوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالی ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔ ایسا نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کا کی کوشش ہم پر کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہی ہیں، اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں، اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں اور گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

شاہ صاحب نے فرمایا یوں میں غمگیں بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کی عمر ضائع کر دی (۳۰)۔

خود حنفی حضرات میں اختلاف کا ایک دائرہ دیوبندی بریلوی اختلاف ہے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف کے بنیادی طور پر تین محور ہیں۔ ایک یہ کہ بعض رسوم وعادات کو اکثر دیوبندی علما نے بدعت سمجھتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو ان سے منع کیا ہے۔ جبکہ بریلوی علما ان رسوم وعادات کو بدعت نہیں سمجھتے بلکہ متعدد مصالح کی بنیاد پر انہیں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جن علما نے ان کاموں کو بدعت قرار دیا اس کا مطلب بھی یہ تھا کہ جو لوگ ہماری تحقیق اور رائے پر عمل کرنا چاہیں وہ ان سے گریز کریں نہ یہ کہ دوسروں کو بھی زبردستی ان سے روکنے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ انہیں بدعت سمجھ کر نہیں کرتے اور شروع میں سلف کا یہ مزاج بیان کیا جا چکا ہے کہ اپنی رائے کو دوسرے پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ راقم الحروف نے بعض ثقہ راویوں سے سنا ہے کہ ایک دفعہ کچھ حضرات مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس ایک فتوی تصدیق کرانے کے لئے لائے، جس کا حاصل یہ تھا کہ بارہ ربیع الاول کو نکالا جانے والا جلوس بدعت ہے۔ بظاہر وہ لوگ اس فتوے کی رو سے اس جلوس کو رکوانا چاہتے ہوں گے۔ مفتی صاحبؒ نے اس پر دستخط کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار فرمادیا کہ بھائی اس دور جو جس طریقے سے بھی اللہ رسول ﷺ کا نام لیتا ہے اسے لینے دو۔

دیوبندی اور بریلوی اختلاف کا دوسرا محور بعض نظریاتی مسائل ہیں، جیسے حاضر و ناظر اور آں حضرت ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا مسئلہ۔ ان مسائل میں بھی اگر دونوں طرف کے جید علما کی تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو شاید اختلاف اتنا گہرا نہیں ہوگا جتنا تاثر پیدا ہو گیا ہے۔

اس اختلاف کا تیسرا محور تکفیر کا فتوی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے علمائے دیوبند کی بعض عبارات کو بنیاد بنا کر ان پر کفر کا فتوی جاری کیا۔ دوسری طرف دیوبندیوں میں بھی بعض حضرات ایسے موجود رہے ہوں گے جو بریلویوں کو مشرک قرار دیتے ہوں گے۔ یہ یقیناً بڑا سنگین معاملہ ہے۔ اس لئے کہ ایک دوسرے کے ایمان پر شکوک وشبہات پیدا کر دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ لیکن اس کے باوجود خوش گوار حیرت کی بات ہے کہ یہ اختلاف بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں طرف کے سنجیدہ علما کے تلخی اور کشیدگی کا باعث نہیں بنا۔ چنانچہ بریلوی علما مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو اپنا مقتدا مانتے اور ان کی بہت زیادہ عزت وتوقیر کرتے ہیں، اس کے باوجود عملی طور پر ان کے فتوی تکفیر سے متفق نظر نہیں آتے۔ اس لئے سنجیدہ بریلوی علما دیوبندیوں کے ساتھ کافروں والا برتاو اور معاملہ کبھی نہیں کرتے۔

اسی طرح جن کے خلاف تکفیر کے یہ فتوے جاری کئے گئے تھے انہوں نے بھی اسے مناسب محمل پر محمول کر کے بات کو زیادہ بگڑنے نہیں دیا۔ مثال کے طور پر جن کے خلاف تکفیر کے فتوے دیئے گئے ان میں ایک نام مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے۔ راقم الحروف نے مولانا تھانویؒ کے متعدد خلفا سے سنا کہ مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ جنہوں نے واقعی مجھے گستاخِ رسول سمجھ کر میرے خلاف فتوے دیئے ہیں، اگرچہ یہ بات امرِ واقعہ کے خلاف ہے لیکن ان کو بہر حال غلط فہمی ہوگئی، اس لئے میں انہیں اس میں معذور سمجھتا ہوں، نہ صرف معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔ یعنی انہیں اس فتوے پر بھی اجر ملے گا۔ اس حوالے مولانا تھانوی کے دو خلفا مولانا مفتی محمد حسنؒ اور حاجی محمد شریفؒ کا مکالمہ پیشِ خدمت ہے، حاجی محمد شریفؒ لکھتے ہیں:

> ایک دفعہ میں لاہور میں حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، عصر کی اذان ہوئی اور تمام حضرات اٹھ گئے، مجھے عصر کے بعد فیصل آباد جانا تھا۔ مصافحہ کے لئے آگے بڑھا، سلام کیا اور عرض کیا نماز کے بعد مجھے جانا ہے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور دیر تک دباتے رہے اور فرمایا: دیکھو! میرے ایک سوال کا جواب دو۔ تم حضرت [تھانوی] کی خدمت میں بہت رہے ہو۔ یہ لوگ جو حضرت والا کی مخالفت کرتے ہیں کیا حضرت کی زبان مبارک سے بھی تم نے ان کے متعلق کوئی بات سنی؟
>
> میں نے عرض کیا کہ میں نے تو حضرت کی زبان مبارک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ان کی کبھی بھی برائی نہیں سنی۔ بلکہ ایک دفعہ کسی صاحب کے سوال پر حضرت نے فرمایا تھا: دیکھنا یہ چاہئے کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں اس مخالفت کا منشا کیا ہے۔ اگر منشا حب رسول ہے تو میں نہ ان کو معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں۔ یہ میری مخالفت کی وجہ سے ان کو اجر ملے گا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اور میں تو حضرت کی خدمت میں بہت زیادہ رہا ہوں، مجھے ایک واقعہ بھی یاد نہیں کہ حضرت نے ان کو برائی سے یاد کیا ہو۔ (۳۱)۔

مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے والد مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر نے جب باطنی استفادے کے سلسلے میں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے رجوع کیا۔ اس سے پہلے وہ سیال شریف کی گدی سے منسلک اور وابستہ تھے جہاں کا ذوق ظاہر ہے کہ علمائے دیوبند کے مزاج سے مکمل ہم آہنگ نہیں تھا۔ اس کے باوجود مولانا مدنیؒ نے دبیر صاحبؒ کو اسی گدی سے منسلک رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا: ''تجدیدِ بیعت کی ضرورت نہیں، آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں، میں آپ کے لئے اور آپ کے عزیز کے لئے حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا ہوں''(۳۲)۔

اس کے علاوہ علمائے دیوبند اور پنجاب سمیت برصغیر کے مختلف علاقوں کی معروف خانقاہوں اور گدیوں کے درمیاں جو اچھے تعلقات رہے وہ اس مستقل تاریخ ہیں، جس کا کچھ نمونہ سید نفیس شاہ صاحبؒ نے ''حکایت مہر وفا'' بیان کردیا ہے۔ معروف کالم نگار عطاء الحق قاسمی کے والد مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ نے بھی مختلف فرقوں کی آویزش کم کرنے کے لئے ''اسوۂ اکابر'' کے نام سے اسی طرح کا ایک رسالہ لکھا تھا۔ انہیں دو رسالوں سے یہاں ایک دو مثالیں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مولانا میاں شیر محمد شرق پوری کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ شرق پور شریف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمار پنجاب کی چند اہم خانقاہوں اور گدیوں میں ہوتا ہے۔ میاں شیر محمدؒ کے خلیفہ صوفی محمد ابراہیم قصوریؒ نے ان کے حالاتِ زندگی پر ایک کتاب ''خزینۂ معرفت'' لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے میاں صاحبؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے تعلقات کا واقعہ لکھا ہے، جو سید نفیس شاہ صاحب نے بھی اسی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے۔ مولانا بہاؤ الحق قاسمی نے یہ واقعہ ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں سید نفیس شاہ صاحب کی کتاب ''حکایت مہر و وفا'' سے صوفی محمد ابراہیم کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے:

> ''مولانا انور علی شاہ صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرق پور شریف حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحبؒ کو بڑی ارادت سے ملے۔ آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے اور شاہ صاحب خاموش رہے۔ پھر آپ نے مولانا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ موٹر کے اڈے تک حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود سوار کرانے کے لئے ساتھ تشریف لائے۔ شاہ صاحب (علامہ انور شاہؒ) نے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ''آپ میر کمر پر ہاتھ پھیر دیں''۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور رخصت کر کے واپس مکان پر تشریف لائے۔ بعد ازاں آپ نے بندہ [صوفی محمد ابراہیم] سے فرمایا شاہ صاحب بڑے عالم ہو کر میرے جیسے خاکسار سے فرمارہے تھے کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ اور میاں صاحب نے فرمایا کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں۔ ان میں ایک شاہ صاحب بھی ہیں''(۴۳)۔

پیر سید جماعت علی شاہ صاحبؒ کا ایک واقعہ بھی ''حکایت مہر و وفا'' سے پیش کیا جاتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''حضرت مولانا سید محمد اسلم صاحب خطیب مسجد قادری لائل پور نے خود راقم سطور [سید نفیس شاہ صاحبؒ] سے بیان فرمایا کہ میں نے علی پور شریف میں اپنے استاذ محترم حضرت صاحبزادہ محمد حسین شاہ صاحب (خلف الرشید حضرت پیر حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری) سے دورہ حدیث سے پہلے کی کتابیں پڑھی تھیں۔ ایک روز میرے والد صاحب حضرت مولانا عبد الغنی شاہ صاحب (م: ۱۹۴۰) خلیفہ اعظم زبدۃ العارفین حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب ثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: میرا خیال ہے تم اپنی تعلیم مکمل کرلو۔ <u>دورہ حدیث شریف کے لئے دو جگہیں ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور منظر اسلام بریلی۔ جہاں تمہارا جی چاہے وہاں چلے جاؤ</u> اور تکمیل کرلو۔ میں نے عرض کیا میں کہ میں اپنے استاد حضرت صاحبزادہ محمد حسین شاہ صاحب کے مشورے سے کوئی فیصلہ کروں گا۔۔۔۔حضرت صاحبزادہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند کا مشورہ دیا۔۔۔۔اس زمانے میں مرشدی ومولائی حضرت اقدس ثانی صاحب علی پوری ابھی حیات تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی ، انہوں نے دارالعلوم دیوبند جانے پر بشاشت ظاہر فرمائی اور دعواتِ صالحہ سے مجھے رخصت کیا۔''

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی نظر میں اصل مقصود حدیث پڑھنا تھا اس کے لئے دیوبند اور بریلی برابر تھے، بلکہ اختلافِ مشرب کے باوجود دیوبند کے انتخاب پر خوشی کا اظہار فرمایا جارہا ہے۔

ایک آخری واقعہ عرض کرکے اس بات کو ختم کیا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مجاہد الحسینی حفظہ اللہ جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے رفیق و خادم تھے سے متعدد بار سنا کہ جب ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں تحریک کی مرکزی قیادت لاہور جیل میں تھی، ان میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بھی تھے اور بریلوی مکتبِ فکر کے مولانا ابوالحسنات بدایونی بھی تھے۔مولانا مجاہد الحسینی بتلاتے ہیں کہ میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ مولانا ابوالحسنات قضائے حاجت کے تشریف لے گئے ہیں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان کی خدمت کے لئے وضو کے پانی کا لوٹا لے کر باہر کھڑے ہیں۔

فرقہ وارانہ بنیادوں کے علاوہ برصغیر فکری اختلافات کا وجود بھی رہا ہے۔ خاص طور پر دو حوالوں سے، ایک تو تعلیمی نظام کے حوالے سے، اس سلسلے میں دیوبند اور علی گڑھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دوسرے سیاسی پالیسی کے حوالے سے، خاص طور انگریزوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کے اعتبار سے۔ دونوں سطحوں پر سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو وہ مشورے دیئے جو عام علما بالخصوص علمائے دیوبند کی سوچ سے مختلف تھے۔لیکن اس کے باوجود ان مختلف حلقہ ہائے فکر میں منافرت کی وہ فضا نہیں تھی جس کا تأثر آج کل بعض تحریروں یا بیانات سے ملتا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ سرسید احمد کی دین کی تعبیر وتشریح کے سلسلے کی کاوشیں اور ان کی تعلیمی اور سیاسی فکر دو الگ چیزیں ہیں۔ جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے وہ سرسید احمد خاں کی خالص ذاتی آراء ہیں جن سے خود ان اپنے حلقہ فکر میں بہت کم اتفاق کیا گیا ہے۔تاہم تعلیمی اور سیاسی سوچ کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ فکری سطح کے اختلاف کے باوجود دونوں طرف سے ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ احترام کا رشتہ برقرار رہا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں سرسید احمد خاں کی دینی فکر پر شدید تنقید کی ہے۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا تھانویؒ ہی نے اپنے مواعظ وملفوظات میں نہ صرف سرسید احمد خاں کی ذاتی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے بلکہ اختلافِ رائے کے باوجود ان کے حسن نیت کا ذکر کرنے کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ان کے اخلاق اور مروّت کے واقعات تفصیل سے بیان فرمائے ہیں جنہیں اگر مولانا تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات وغیرہ سے یکجا کیا جائے تو شاید ایک کتابچہ تیار ہو جائے۔

دیوبند اور علی گڑھ دو الگ نظام ہائے تعلیم تھے جو اپنی سمجھ کے مطابق مسلمانوں کی مختلف نوعیت کے ضروریات کو پورا کر رہے تھے۔لیکن دونوں جگہوں کے نہ صرف یہ کہ بہت اچھے مراسم اور روابط تھے بلکہ ایک دوسرے سے استفادے کی ضرورت کا احساس بھی موجود تھا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی جلسہ ہائے تقسیم اسناد میں سے ایک میں علی گڑھ کالج کی طرف سے نمائندگی کے طور پر صاحبزادہ آفتاب احمد شریک ہوئے ، انہوں نے تجویز پیش کی کہ دارالعلوم کے تعلیم یافتہ علی گڑھ کالج انگریزی پڑھنے جایا کریں (۳۵)۔اسی طرح اسی جلسے میں اپنے خطاب کے دوران مولانا نانوتویؒ نے دارالعلوم کے نصاب کی خصوصیات اور اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اس کے بعد (یعنی دارالعلوم کے تعلیمی نصاب سے فارغ ہونے کے بعد) اگر طلبہ مدرسہ ہٰذا، مدارس سرکاری میں جا کر علومِ جدیدہ حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ثابت ہوگی'' (۳۶)۔

اسی طرح انگریز حکومت کے ساتھ تعلقات یا ان کے بارے میں رویہ کیا ہونا چاہئے یہ عام طور پر بڑا حساس موضوع رہا ہے۔لیکن آزادی سے پہلے کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حوالے سے اختلاف افکار کی موجودگی کے باوجود ایک دوسرے کے احترام کی روایت موجود تھی ، یہ نہیں تھا کہ پالیسی معاملات میں جس کی رائے مختلف ہو وہ غدار اور نہ معلوم کن کن القاب کا مستحق ٹھہرے۔

اس سلسلے میں ایک مثال راقم الحروف اپنے ہی ایک سابقہ مضمون سے بعینہٖ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ مالٹا کی اسارت سے واپس آئے تو ان سے ملاقات کرنے والوں اور انہیں انگریز کے خلاف جدوجہد سے الگ ہونے کا مشورہ دینے والوں میں یک نام مولانا رحیم بخشؒ کا بھی ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سوانح نگار مولانا فرید الوحیدی ن کے تعارف میں لکھتے ہیں: ''ریاست بہاولپور کے مدارالمہام تھے ،حضرت گنگوہی کے توسلین میں اور علماء کرام کے بڑے معتقد تھے ، تاہم حکومتِ برطانیہ کے خیرخواہ اور معتمد تھے'' (۳۷)۔ انہی مولانا رحیم بخش کے بارے میں مولانا مدنی کے والد ماجد مولوی سید حبیب للہ صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے:

> ''اتفاق سے اسی زمانے میں نواب صاحب بہاولپور بھی حج وزیارت کے لئے حاضر ہوئے ۔ان کے وزیر اعظم مولانا رحیم بخش صاحب بڑے عالم، متقی اور باخدا شخص تھے اور حضرت قطب عالم گنگوہیؒ کے متوسلین میں سے تھے ۔انتظامات کے لئے وہ نواب صاحب کی آمد سے پہلے ہی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ۔قدرتی طور پر ان کو مولوی صاحب [مولوی حبیب اللہ]اور ان کے حضرت گنگوہی کے خلفا صاحبزادگان سے خصوصی تعلق اور عقیدت ہوگئی اور نواب صاحب آئے تو موصوف نے ان کی جانب سے دس روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کرا دیا، یہ ساری مستقل آمدنیاں تھیں'' (۳۸)

ایک طرف تو مولانا رحیم بخش حکومتِ برطانیہ کے ''خیرخواہ اور معتمد'' تھے دوسری طرف وہ ے عالم، متقی اور باخدا شخص'' تھے اور ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت وہ ہے جو اقتباس سے سمجھ میں آرہی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی آپ بیتی India Wins Freedom کے آغاز ں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ''آزاد'' تخلص کا انتخاب سرسید احمد خاں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریروں سے متاثر ہوکر کیا، مولانا نے غبارِ خاطر میں موسیقی کے بارے میں اپنی بہت نرم رائے کا اظہار کیا ہے، اتاترک کی اصلاحات کے بارے میں مولانا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے اصغرعلی انجینئر صاحب لکھتے ہیں:

> جب کمال پاشا نے ترکی میں بغاوت کی اور خلافت کو اقتدار سے بے دخل کردیا اور خلافت کے ادارے کو فرسودہ قرار دیا تھا مولانا [ابوالکلام آزاد] نے اتاترک کی جدید اصلاحات کا استقبال کیا تھا اور مسلمانوں کو خلافت کے ادارے کی حفاظت کی کوششوں کو ترک کردینے کا مشورہ دیا تھا جس سے ترک لیڈران خود دست بردار ہوگئے تھے(۳۹)۔

مولانا آزاد کی اس رائے سے اتفاق یا اختلاف تو الگ معاملہ ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ رائے علماء کے عام حلقوں میں مروجہ رائے سے بالکل ہٹ کر ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں کے باوجود ان حلقوں میں مولانا آزاد کے لئے پائے جانے احترام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

حواشی

۱۔ ماہ نامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' جون ۲۰۱۱ء ماخوذ از: خلیق ابراہیم خلیق: منزلیں گرد کی مانند ص ۲۷۳

۲۔ صحیح بخاری حدیث نمبر: ۴۱۱۹]

۳۔ سنن الدارمی، باب اختلاف الفقہاء۔ ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۹۰۱ دار ابن الجوزی سعودیہ، طبع اول

۴۔ ابن حجر مکی ہیتمی، الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۱ھ ص ۱۰]

۵۔ جامع بیان العلم ۲/۹۰۲۔ محمد عوامہ، ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین]

۶۔ ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، ۳۰/۷۹]۔

۷۔ ابن قتیبہ: عیون الاخبار دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ ۲/۱۷۰

۸۔ ذہبی: سیر أعلام النبلاء ۱۰/۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ طبع اول ۱۴۰۲ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ عبد الفتاح ابو غدة: صفحات من صبر العلماء ص ۲۱۹

۹ الف۔ محمد عوامہ: ادب الاختلاف ص ۹۹

۱۰۔ خطیب بغدادی: الفقیہ والمتفقہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۹۵ھ ۲/۶۹]۔

۱۱۔ خطیب بغدادی: تاریخ بغداد، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳/۳۵۲]۔

۱۲۔ ابن عبد البر: الانتقاء ص ۱۴۰

۱۳۔ خطیب بغدادی: الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ ص ۴۰۲

۱۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۸۱۶

۱۵۔ حاکم علی: مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات بیت العلم کراچی ص ۲۵۴

۱۶۔ مجموعۃ الفتاوی، عمر فاروق اکیڈمی لاہور ۱/۸۹ استفتاء نمبر ۱۰۲۔ آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل اہوء (غیر سنی فرقوں) کو کافر قرار دینے سے خود اپنے کفر کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے، غالبا اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کو کسی کو کافر کہتا ہے تو یہ بات دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور لگتی ہے۔

۱۷۔ مجموعۃ الفتاوی عمر فاروق اکیڈمی لاہور ۱/۲۴۰ استفتاء نمبر ۱۹۷

۱۸۔ امداد الفتاوی ۲/ ۲۲۹ مکتبہ دار العلوم کراچی]

۱۹۔ فتاوی دار العلوم دیوبند (امداد المفتین) ص ۵۰۶

۲۰۔ فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۲۳۶ فتوی نمبر: ۸۳۴۴ مطبوعہ جامعہ فاروقیہ کراچی]

۲۱۔ مفید الوارثین ص ۳

۲۲۔ مفید الوارثین ص ۶۸

۲۳۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی: ایک تاریخی وسوانحی مطالعہ ص ۳۳۵

۲۴۔ طاہر رزاق: مرگ مرزائیت ص ۱۵۸

۲۵۔ مولانا مناظر احسن گیلانی: ص ۱۱۸ مکتبہ عمر فاروق کراچی

۲۶۔ وعظ الہدی والمغفرۃ ص ۵۰ مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی در مجموعہ مواعظ اشرفیہ

۲۷۔ کیرانوی، حبیب احمد، مقدمۃ إعلاء السنن (قواعد فی علوم الفقہ) إدارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ص ۲۲۴۔

۲۸۔ مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۵۶ ماخوذ از خدام الدین ۲۴ مئی ۱۹۹۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۹۔ خطبات و مقالات سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ، ترتیب و تخریج میاں طاہر ناشر طارق اکیڈمی فیصل آباد ص ۲۴۵-۲۶۲

۳۰۔ مفتی محمد شفیع: وحدتِ امت، دالاشاعت کراچی ص ۱۵

۳۱۔ حاجی محمد شریف ملتان: اصلاحِ دل، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ص ۲۵۴

۳۲۔ عبدالجبار سلفی: احوال دبیر، قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی پاکستان ص ۶۲

۳۳۔ سید نفیس شاہ الحسینی: حکایت مہر و وفا، دار النفائس لاہور ص ۱۹

۳۴۔ حوالہ بالا ص ۲۷

۳۵۔ مولانا مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۲/۲۹۶

۳۶۔ حوالہ بالا ص ۲۸۱

۳۷۔ فرید الوحیدی، مولانا، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی: ایک تاریخی و سوانحی مطالعہ ص ۲۱۷ مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۹۹۵ء۔

۳۸۔ حوالہ بالا ص ۵۵۔

۳۹۔ http://newageislam.com/urdu-section/

© rasailojaraid.com